Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم و حکمت قرآن کے لیے مقررہ نصاب کے مطابق

اصطلاحات قرآن



الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر C-18، اسکیم-33، نزد جمالی پُل، M-9 موڑوے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

خَلِیْفَۃٌ: نائب، قائم مقام، کسی کے بعد آنے والا۔ جمع خُلفَاء و خَلَائِف (قاموس القرآن)۔ خَلْفٌ کے معنی پیچھے یہ قدام کی ضد ہے اور خَلَفَ کے معنی پیچھے رہ جانے اور کسی کا جانشین ہونے کے ہیں۔ اور جو کسی کا جانشین اور قائم مقام ہو اسے خَلَفٌ کہا جاتا ہے (مفردات راغب اصفہانی)۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ خَلْفٌ ہو یا خَلَفٌ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی گزرے ہوؤں کے بعد آنے والے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ خَلَفٌ خیر میں استعمال ہوتا ہے اور خَلْفٌ شر میں۔

اَلْخَلِیْفَۃُ دوسرے کا جانشین جو کسی کے بعد اس کے معاملات سرانجام دینے کے لیے مامور ہو۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ (البقرہ:۳۰)

"میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

یہ خلافت کس نوعیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا خلیفہ بنا رہا ہے یا زمین میں بسنے والی کسی پیشرو مخلوق کا۔ یہ سوال علمائے قرآن کے علمی بحث کا موضوع رہا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ خَلِیْفَۃً بنی آدم کی وہ خلافت ہے جو اس سے پہلوؤں کی جانشینی میں آئی ہے۔ موجودہ انسان سے پہلے کرۂ ارض پر دوسری مخلوق کا وجود ایک حقیقت ہے لیکن وہ مخلوق اب ناپید ہو چکی ہے۔ سورۃ الحجر میں انسان سے پہلے کی ایک مخلوق کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے:

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ (الحجر:۲۷)

"اور انسان سے پہلے ہم جان کو جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے"۔

زمین پر انسان کی نمود سے پہلے زمین چونکہ بہت زیادہ گرم تھی اس لیے وہ مخلوق ایسی ہو گی جو نسبتاً تیز حرارت میں بھی زندہ رہ سکتی ہو۔ اس آیت سے استدلال لیا جاتا ہے کہ انسان کی خلافت یا جانشینی مذکورہ سابق مخلوق کی جگہ ہوئی ہے۔ انسان کی ارتقائی تخلیق کے متعلق قرآن حکیم کی کئی آیات تصدیق کرتی ہیں جن کو ہم الخلق کی اصطلاح میں بیان کر چکے ہیں۔

استخلاف فی الارض کے لیے بھی قرآن حکیم کی آیات ایک کے بعد دوسرے کی جانشینی کی تائید کرتی ہیں۔ جیسے قوم عاد کے متعلق فرمایا:

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (الاعراف:٦٩)

"قوم نوح کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا"۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ (یونس:١٤)

"ہم نے تمہیں ان کے بعد ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں تم کس طرح اعمال برتتے ہو"۔

یہ بعد میں آنے والے یا جانشین ہونے والی خلافت ہے۔ لیکن خلافت بطور انسانی سماج کی ذمہ داری کے لیے بھی قرآن حکیم کی واضح آیات موجود ہیں۔ اس لیے خَلِيْفَةً سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں خود اپنا خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس رائے پر یہ اعتراض کہ خلیفہ تو اس کو مقرر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے جو غائب یا غیر حاضر ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے تو اس کی خلافت یا جانشینی کس طرح ممکن ہے؟ یہ اعتراض قرآن حکیم کی وہ آیات ختم کر دیتی ہیں جن میں انسانوں کو استخلاف فی الارض کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

سورۃ الحدید میں ارشاد ہوا:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ (آیت:٧)

”تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے“۔

سورۃ النور میں ارشاد ہوا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (آیت:۵۵)

”جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور ان کے عمل بھی اچھے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہوا کہ زمین کی خلافت انہیں عطا فرمائے گا، اسی طرح جس طرح ان لوگوں کو دے چکا ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ نیز ایسا بھی ضرور ہونے والا ہے کہ ان کے دین کو جو ان کے لیے پسند کر لیا گیا ہے، ان کے لیے جمادے اور خوف و خطر کی زندگی کو امن و امان کی زندگی سے بدل دے“۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ خلیفہ بنانے کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو زمین کے انتظام و انصرام کے معاملہ میں کچھ اختیارات دے گا۔ انفاق کرنے کے اختیار دے گا۔ انسانوں کی سرداری کے اختیار دے گا۔ انسانوں سے متعلق حقوق کے اختیار دے گا۔ یہ گویا اصل حکمران کی طرف سے ایک نائب یا نمائندہ مقرر کرنے کی صورت ہوئی۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اصل حکمران غائب یا غیر حاضر ہو جائے بلکہ اس نائب کو کچھ اختیارات دے کر اس کی اطاعت و وفاداری کا امتحان کرنا تھا۔

مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں:

”خلافت کے لیے انسان کو اختیارات دیے گئے اور ساتھ ہی اسے خدا کا بندہ رہنے کی تاکید بھی کی گئی۔ اسے قانون الٰہی دیا گیا تاکہ اسے دنیا میں نافذ کرے۔ اس کا نام خلیفہ یا نائب ہے۔ خلیفہ کو فطری قانون اپنے اوپر تسلیم کر کے حکومت کرنی سکھلائی گئی یعنی وہ

خود بھی قانونِ فطرت کے ماتحت رہے گا۔ اسے ہدایت کی گئی کہ وہ قانونِ عمومی اور قانون الٰہی کا پابند رہے۔ اس لیے خلیفہ یا اللہ کا نائب کہا گیا۔ حکومت تو اللہ کی ہے اور اس کے جو قوانین، فطرت ہیں، یہ خلیفہ کا کام ہے کہ ان کو دنیا میں رائج کرے۔ رسول ترجمان ہے۔ رسول کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی ترجمانی کرے۔" (المقام المحمود ص ۲۲۶)

انسان کی تخلیق میں درج ذیل اعلیٰ مقاصد شامل تھے اس لیے ان مقاصد کی بخوبی تکمیل کے لیے یہ خلافت کا منصب یا ذمے داری تفویض ہوئی۔

۱) قرآن کہتا ہے کہ انسان کی فطرت اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کے سوا اور کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ ضروری ہے کہ اس کی ساری زندگی یعنی اس کی زندگی کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی عبادت کے جذبے سے نمودار ہو اور اس کی عبادت پر مشتمل ہو۔

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذٰریٰت:۵۶)

"ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے سوا اور کسی بات کے لیے پیدا نہیں کیا"۔

اس آیت میں مَا اور اِلَّا کے الفاظ سے قرآن کا یہ دعویٰ صاف ظاہر ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مثال رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے اور آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ (الانعام:۱۶۲)

"بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہاں کا پروردگار ہے"۔

انسان کی یہ مکمل وابستگی اور اپنی حوالگی کی کیفیت جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کا مدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی زندگی کو پسند فرماتے ہیں جس میں ذمہ داریوں کی ادائیگی ہو۔ ایسی زندگی جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا اظہار ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دوسرے انسانوں

کے لیے اس کو نمونہ بناتے ہیں۔ سورۃ زخرف میں مشرکین کو متنبہ کیا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے ایک بندے تھے جن پر اس نے اپنا خاص فضل فرمایا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کو ایک نمونہ بنایا کے اللہ کے نزدیک پسندیدہ زندگی کی مثال یہ ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾ (الزخرف:٦٠)

"اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمہاری جگہ زمین میں رہتے"۔

وَلَوْ نَشَآءُ کا صیغہ جب بھی آتا ہے تو اس کے معنی ہوتی ہے کہ یہ بات ہر گز ہونے والی نہیں (کہ ہم زمین میں فرشتوں کو خلافت عطا کریں)۔ یہ خلافت کا منصب ہم نے آپ کے لیے انسانوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا ہے اور بنی اسرائیل کے لیے اس کو ایک نمونہ بنایا ہے۔

انسان کے علاوہ تمام مخلوقات کو، وہ فرشتے ہوں یا جن، حیوانات ہوں یا نباتات ان سب کو اللہ تعالیٰ نے محدود قوتیں دی ہیں جن سے وہ ایک محدود دائرے میں تصرفات کر سکتے ہیں۔ مگر انسان کو ایک خاص قوت عقل عطا فرمائی ہے جس سے اس کے تصرفات کی حدود بے حد وسیع ہو گئی ہیں۔ اپنے اسی استعداد سے انہوں نے ارض وسما کی تسخیر میں محیر العقول کام سر انجام دیے ہیں۔ عقل انسانی کے ان وسیع تصرفات کے ذریعے مخلوقات کی آسودگی و بہبودی میں اپنے عظیم اختیارات کی بنا پر بلاشبہ وہ خلیفۃ اللہ کے خطاب کا مستحق ہے۔

۲) انسان کی تخلیق میں نفخ روح ہوا ہے:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ (الحجر:٢٩)

"جب میں اسے مکمل کر لوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں تو (اے فرشتو!) اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا"۔

یہ نفخ روح اللہ تعالیٰ کی صفات کا جلوہ یا توانائی ہے۔ یہ نفخ اللہ تعالیٰ کی خود شعوری کا

عکس یا تجلی ہے جو انسان میں پلٹ کر اس کی اپنی خود شعوری بن گئی ہے جو انسان کو ارتقا کی منزلوں سے گزار رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ارتقا کے عمل سے دن بدن زیادہ سے زیادہ نمودار اور آشکار ہوتی جارہی ہیں اور انسان کی خود شعوری اپنی صفات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفات یا خود شعوری کے قریب آتی جارہی ہے۔ جس کو پیغمبر ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد کیا ہے:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ

"اللہ کے اوصاف سے اپنے آپ کو متصف بناؤ"۔

انسان کی خود شعوری گویا چھوٹے پیمانے پر اللہ تعالیٰ کی خود شعوری کا عکس ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ

"بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے"۔

یہاں صُوْرَتِہٖ سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ وہ صفات جن کے لیے قرآن حکیم میں کہا گیا ہے:

صِبْغَۃَ اللّٰہِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ۡ (البقرہ:۱۳۸)

"(ہدایت اور نجات کی راہ کسی رسمی اصطباغ یعنی رنگ دینے کی محتاج نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا شیوہ ہے) یہ اللہ کا رنگ دینا ہے اور (بتلاؤ!) اللہ سے بہتر اور کس کا رنگ دینا ہو سکتا ہے؟"

یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت کا مکلّف بنایا ہے اور اسے اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ اگر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات یا اس کی روح کا ایک عکس نہیں ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اس کا عرفان حاصل کرنے کے لیے جہاں تم کائنات کا مطالعہ کرو وہاں اپنے آپ کو بھی آنکھیں کھول کر دیکھو۔

کیونکہ تمہاری خود شعوری یا تمہارے نفس کے اندر بھی معرفتِ حق کی رہنمائی کا سامان موجود ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ (الذٰریٰت:۲۱-۲۰)

"اور اللہ کی ہستی پر یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں نشانات ہیں اور نفس انسانی میں بھی، کیا تم نہیں دیکھتے"۔

کائنات میں جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور خالقیت منکشف ہوتی جا رہی ہے ویسے ویسے انسان کامل سے کامل تر ہوتا جا رہا ہے انسان کے کامل تر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس طرح بن جائے جس طرح اللہ اسے بنانا چاہتا ہے۔ یعنی اپنی فطرتی استعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق اور اس کی اوصاف سے متصف ہو جائے۔ ارتقا کے اس عمل سے خود شعوری کی دونوں طرفیں، ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہیں۔ اگر انسان اللہ کے قریب آ رہا ہے تو اللہ بھی انسان کے قریب آ رہا ہے۔ گویا خود شعوری اپنے آپ کی کشش رکھتی ہے اور دونوں اطراف سے اپنے آپ ہی کو چاہتی ہے اور اپنی ہی جستجو کر رہی ہے۔

فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ:۱۵۲)

"میرا ذکر کرو تو میں تمہارا ذکر کروں گا"۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ (آل عمران:۳۱)

"کہو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

یہ ہیں وہ مراتب جن سے بہرہ ور ہونے کے لیے انسان کو خلافت کے منصب سے سرفراز کیا گیا۔ اپنی خلافت کی تکمیل سے انسان اس پوزیشن میں آئے گا کہ اس کا اپنے مالک حقیقی کی طرف صعود ہو۔ قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات میں تمام امور اللہ

تعالیٰ کی طرف مرجع ہوتے ہیں:

وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ (ہود:۱۲۳)

"اور اسی کی طرف سارے امور کا مرجع ہے"۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ (النجم:۴۲)

"اور ارتقائے کائنات کی انتہا تیرا رب ہے"۔

ان آیات کی روشنی میں کائنات میں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا مبداء کی طرف رجوع کرنے کا قانون موجود ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا کمال اس بات پر منحصر ہے کہ وہ وہیں پہنچ جائے جہاں سے چلے۔ بجلی کی رَو ایک دائرہ بنا کر جہاں سے چلتی ہے وہیں پہنچ جاتی ہے تو نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ روشنی کی کرنیں ایک خطِ مستقیم میں حرکت نہیں کرتیں بلکہ ہر روشنی کی کرن ایک بہت بڑا دائرہ بنا کر وہیں پہنچنا چاہتی ہے جہاں سے چلتی ہے۔ انسان میں جو نفخ روح ہوا ہے وہ بھی اسی قانون کے تحت اپنے مبداء کی طرف رواں دواں ہے۔

❖❖